34

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا ہوتا ہے وہی زندگی پاتا ہے

(فرمودہ 20 ستمبر 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مومن اور کافر میں بہت بڑا فرق ہونا چاہئے۔ سچے مومن کو دوسروں سے یہ امتیاز ہوتا ہے کہ وہ آنکھیں کھول کر چلتا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ دنیوی لحاظ سے بعض غیر مومن بھی بڑے ہوشیار ہوتے ہیں اور دنیا کے کاموں میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر کامل نہیں ہوتی کیونکہ وہ روحانی علم سے محروم ہوتے ہیں۔ علم تعبیر رؤیا میں آنکھ کے نہ ہونے سے مراد علم کا نہ ہونا ہے۔ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس کی دائیں آنکھ خراب ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی دینی حالت خراب ہے۔ اور اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس کی بائیں آنکھ خراب ہے تو اِس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اس کی دنیوی حالت خراب ہے۔ اِن دونوں پہلوؤں میں سے دنیا کے لحاظ سے دنیوی پہلو پہلے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ 1 یہاں دنیا کو پہلے رکھا ہے اور دین کو بعد میں۔ دین کو اِس لئے بعد میں رکھا کہ دنیا دین کے لئے بطور سیڑھی ہے۔ سیڑھی پر چڑھنے کے بعد ہی ہم منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ بہت سے دنیوی علوم ہیں جو دینی علوم کے جاننے کے لئے ضروری ہیں۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے عربی زبان سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ اب عربی پڑھنا دین نہیں دنیا ہے۔ پھر قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے صَرف و نحو کی ضرورت ہے۔ صَرف و نحو کا پڑھنا بھی دنیا ہے دین نہیں ہے۔ پھر قرآن کریم کو

سمجھنے کے لئے علمِ جغرافیہ کی بھی ضرورت ہے۔ جغرافیہ کا پڑھنا بھی دین نہیں دنیا ہے۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے علمِ ہیئت کا جاننا بھی ایک حد تک ضروری ہے۔ اب علمِ ہیئت کا پڑھنا بھی دنیا ہے دین نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے کچھ علمِ سیاست کی بھی ضرورت ہے۔ سیاست کا جاننا بھی دین نہیں دنیا ہے۔ قرآن کے سمجھنے کے لئے کچھ علم النفس کی بھی ضرورت ہے۔ علم النفس کا جاننا بھی دین نہیں دنیا ہے۔ اسی طرح کے بیسیوں بلکہ سینکڑوں علوم ہیں جن کا سیکھنا دنیوی رنگ رکھتا ہے لیکن قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے۔ ان کے جاننے کے بغیر قرآن کریم کے معانی اور تفسیر میں غلطی کرنے کا اندیشہ ہے۔ قرآن کریم کے پڑھنے کے لئے سب سے ضروری حروف ابجد کا جاننا اور ان کا آپس میں ملانا ہے۔ ان حروف کا پڑھنا بھی دین نہیں دنیا ہے کیونکہ اگر حروف کے مخارج سے واقف نہیں تو تلاوت نہیں کر سکتا۔ اگر ایک انسان قرآن کریم کے الفاظ اور کلمات پڑھنے پر قادر نہیں تو وہ ان کے معنوں پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک انسان صَرف و نحو پر قادر نہیں تو وہ قرآن کریم کے صحیح معنوں پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ مندرجہ بالا علوم میں سے کسی سے بھی بے بہرہ ہے تو پھر وہ قرآن کریم کے معارف اور حقائق پر قادر نہیں ہو سکتا۔ تو دنیوی علوم بھی دینی علوم کے لئے ایک حد تک ضروری ہیں۔ ان کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔ جب دین مکمل نہ ہوا تو آخرت مکمل نہ ہوئی۔ پس جبکہ ایک جھوٹا صوفی یا ایک جھوٹا مولوی جو کہ دنیا کے ظاہری علوم سے اندھا ہے۔ اگر اُس کے سامنے کوئی سچا مولوی اور سچا صوفی آجائے جس کی دونوں قسم کی آنکھیں موجود ہوں یعنی وہ دینی علوم کے علاوہ دنیوی علوم میں بھی دسترس رکھتا ہو تو ایسا شخص یقیناً اپنے حریفوں سے زیادہ اعلیٰ مقام پر ہو گا اور وہ حملہ کے لحاظ سے اُن سے زیادہ محفوظ ہو گا۔

جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء آتے ہیں۔ ان کے ذریعہ دینی علوم کے علاوہ دنیوی علوم کی بھی ترقی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور دنیا دار لوگوں میں علوم کے پھیلانے میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ دنیا دار لوگ دنیوی علوم کو دینی علوم پر مقدم کر دیتے ہیں اور ان کی تمام تر توجہ دنیوی علوم کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے، دینی علوم سے وہ اِعراض کر لیتے ہیں۔

لیکن جو الٰہی علماء ہوتے ہیں وہ دنیوی علوم کو دینی علوم کے تابع کر دیتے ہیں اور اُن کی زیادہ تر توجہ دینی علوم کی طرف ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب سے کام شروع کیا تو آپ کی تمام تر توجہ دین کی طرف تھی۔ آپ نے بہت سی دینی کتب لکھیں۔ پھر ان کی اِشاعت کی۔ اور جہاں تک قرآن کریم کے سمجھنے کا سوال ہے اور قرآن کریم کے حقائق و معارف کُھلنے کا سوال ہے یہ چیزیں باطنی علوم اور تَفَقُّه فِي الدِّيْن سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن ان چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے آپ نے مدرسے بھی بنائے۔ پھر آپ نے ایک ہسپتال بھی جاری کیا۔ لیکن آپ میں اور دوسرے دنیا دار لوگوں میں فرق یہ ہے کہ دنیا دار لوگوں کے نزدیک انگریزی تعلیم مقدم تھی۔ لیکن آپ کے نزدیک یہ چیز ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ اصل چیز دین تھی جس کے تابع آپ نے تمام علوم کو کر دیا۔ اِسی اختلاف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیغامیوں کے دلوں میں یہ خیالات پیدا ہوئے کہ عَوَامُ النّاس کے خیال کے مطابق مدارس وغیرہ قائم کرنا اور دنیوی تعلیم کا انتظام کرنا ہی اصل دین ہے۔ چنانچہ ان کا یہ خیال یہاں تک تقویت پکڑ گیا کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشورہ دیا کہ لنگر خانہ بند کر دیا جائے اور یہی روپیہ جو لنگر خانہ کا خرچ ہے اس سے کسی جگہ مدرسہ جاری کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اچھے بھلے بنے بنائے احمدی باہر سے آتے ہیں اور آکر میری باتیں سنتے ہیں اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرتے ہیں۔ مَیں ان بنے بنائے احمدیوں کو کچھ خیالی صورتوں کے لئے کس طرح قربان کر دوں جن کا پیدا ہونا بھی شکی ہے۔ پتہ نہیں کہ وہ پڑھنے کے بعد احمدیت کے لئے کیسے ثابت ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے شک ایک دینیات کے مدرسے کی اور ایک انگریزی کے مدرسے کی بنیاد قائم فرمائی اور آپ کے زمانہ میں ایک ڈسپنسری بھی بن چکی تھی۔ لیکن یہ چیزیں آپ کا مقصود نہ تھیں بلکہ آپ کا مقصود دینی تعلیم پر زور دینا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عرفان تک لوگوں کو پہنچانا تھا۔ کیونکہ بغیر سچے مومنوں کے مذہب کو کچھ بھی تقویت حاصل نہیں ہوتی۔ خواہ ساری دنیا ہی اس مذہب کو ماننے کیوں نہ لگ جائے۔ لیکن اگر بہت قلیل تعداد میں بھی سچے مومن ہوں تو وہ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر مجھے

چالیس سچے مومن مل جائیں تو مَیں دنیا کو فتح کر سکتا ہوں۔2 اور مجھے دنیا کے فتح کرنے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا۔ لیکن اِس وقت اسی جگہ پر ہی چار ہزار کے قریب لوگ بیٹھے ہیں جو کہ اس تعداد سے سو حصہ زیادہ ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر مجھے صرف چالیس سچے مومن مل جائیں تو مَیں دنیا کو فتح کر سکتا ہوں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِن چار ہزار میں سے صرف چالیس آدمی یعنی ہر سو آدمی میں سے ایک کامل مومن ہو تو دنیا فتح ہو سکتی ہے۔ اِس مجلس ہی میں اُس تعداد سے سَو گُنے زیادہ بیٹھے ہیں۔ اور اگر بیرونی جماعتوں کو ملا لیا جائے تو وہ اس تعداد سے جو اس مجلس میں موجود ہے تقریباً سو گُنے زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ اب ہماری جماعت کی تعداد ہندوستان میں ہی چار پانچ لاکھ کے قریب ہے لیکن ابھی تک جماعت وہ کام نہیں کر سکی جو چالیس کامل مومن کر سکتے ہیں۔ پس سوچو تو سہی کہ تم میں سے کتنے ہیں جو اسلام اور احمدیت کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام توجہ خرچ کرتے ہیں۔ تمہاری بے توجہگی کی وجہ یہی ہے کہ کبھی تم نے اُس ذمہ داری پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا جو تم پر ڈالی گئی ہے رسمی طور پر بیعت کر لینا انسان کو کچھ بھی نفع نہیں دیتا جب تک اس کے ساتھ عمل کو شامل نہ کیا جائے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے احمدیت میں داخل ہو کر خدا تعالیٰ پر بہت بڑا احسان کر دیا ہے اور اب وجہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی جنت میں داخل نہ کرے۔ حالانکہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے جو احسانات اور جو نعمتیں ہیں وہ شمار ہی نہیں ہو سکتیں۔ اگر ایک طرف وہ نعمتیں اور انعام رکھے جائیں تو اُن کے مقابلہ میں بندے کی خدمتیں بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ غالب ایک دنیادار آدمی تھا۔ لیکن بعض دفعہ دنیادار آدمی کے منہ سے بھی حکمت کی بات نکل جاتی ہے۔ غالب نے کیا اچھا کہا ہے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا3

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے رستے میں جان بھی دے دی تو پھر بھی ہم نے کونسی قربانی کی ہے۔ ہمارے پاس سے کیا گیا؟ جان تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تھی جو اُسے واپس کر دی۔ اور اِس کے علاوہ اَور بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے ذمہ قرضہ ہیں۔ ہم نے ان کے عوض اللہ تعالیٰ کو کیا دیا؟

حقیقت بھی یہی ہے کہ کونسی چیز ہے جو انسان اپنے پاس سے قربان کرتا ہے؟ کونسی چیز ہے جو انسان نے خود بنائی ہے؟ انسان اللہ تعالیٰ کے رستے میں جو کچھ قربان کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتا ہے۔ اور انسان جب جان دیتا ہے تو اس کی بہت سی چیزیں دنیا میں باقی رہ جاتی ہیں جو اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان نہیں کی ہوتیں۔ میرے خیال میں کوئی انسان ایسا نہیں جو ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے رستے میں قربان کر جائے۔ بہت سے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رستے میں جانیں قربان کرتے ہیں تو ان کا مال پیچھے باقی ہوتا ہے جس سے اُن کی بیویاں اور بچے گزارہ کرتے ہیں۔ اور اگر بیوی بچے بھی قربان کر جاتے ہیں تو پیچھے رشتہ دار ہوتے ہیں جو اُن کے مال و دولت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایسی مثالیں کہ جان دیتے وقت ان کی کوئی چیز باقی نہ ہو بہت کم ہیں بلکہ چند ہیں۔

صحابہؓ میں سے شہید ہونے والوں میں سے حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت حمزہؓ ایسے تھے کہ جنہوں نے جان کی قربانی کی اور پیچھے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ لیکن ایک چیز پھر بھی باقی رہ گئی اور وہ چیز ایسی تھی جو نہ مٹنے والی تھی۔ وہ ان کی نیک نامی اور نیک شُہرت ہے۔ بے شک حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت حمزہؓ نے بیوی بچے اور جائیداد پیچھے نہیں چھوڑی اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے رستے میں قربان کر دیا۔ لیکن وہ عزت اور وہ نیک نام اور وہ دعائیں جو ان کو عالَمِ اسلام سے ملتی ہیں وہ باقی ہیں اور ان چیزوں کے مقابلہ میں ان کی قربانیوں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ کوئی سچا مسلمان ایسا نہیں جو عثمان بن مظعونؓ کے واقعات کو پڑھ کر آنکھوں سے آنسو نہ بہائے اور کوئی سچا مسلمان ایسا نہیں جو اِن واقعات کو پڑھ کر دعا کئے بغیر آگے گزرے۔ یہ کتنا بڑا انعام ہے۔ ہم یہ مان لیتے ہیں کہ عثمانؓ کی جائیداد ہزاروں کی نہیں بلکہ لاکھوں کی ہوگی۔ لیکن جتنی دعائیں عثمان بن مظعونؓ کے لئے کی جاتی ہیں اگر آج مسلمانوں کو یہ حقیقت معلوم ہو جائے کہ عثمانؓ کو کیا کچھ ملا ہے تو وہ کروڑوں کروڑ کی جائیدادیں اسلام کے لئے قربان کر دیں۔

انسان اولاد کس لئے مانگتا ہے؟ اِسی لئے کہ اس کا نام دنیا میں باقی رہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جن کے نام ان کی اولادوں کی وجہ سے باقی ہیں۔ آج سے ہزار سال پہلے کے کتنے لوگ ہیں جن کے نام ان کی اولادوں کی وجہ سے باقی ہیں۔ ہزار سال میں اربوں ارب بلکہ

کھربوں کھرب دنیا گزر چکی ہے۔ اِس زمانہ میں ہی دنیا کی آبادی دو ارب ہے تو ہزار سال میں تو کھربوں کھرب دنیا گزر چکی ہے۔ لیکن ان میں سے صرف دو چار سو ایسے افراد ہوں گے جن کے نام اب تک ان کی اولادوں کی وجہ سے باقی ہیں اور باقی سب لوگ ایسے ہیں جن کے ناموں سے کوئی انسان واقف نہیں۔ ایک ہزار سال کا عرصہ تو بہت لمبا عرصہ ہے۔ مَیں جلسہ سالانہ کے موقع پر بعض لوگوں سے ان کے پردادوں کے نام پوچھتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہیں کہ ان کا نام کیا تھا۔ لیکن عثمانؓ نے رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی اتباع میں جو قربانی کی وہ آج تک ان کا نام زندہ کئے ہوئے ہے۔ اگر عثمانؓ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر ایمان نہ لاتے۔ تو آج کسی کو ان کے نام سے بھی واقفیت نہ ہوتی لیکن آپ نے اسلام کے زندہ کرنے کے لئے رشتہ دار، وطن چھوڑے اور آخر رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پہلو میں شہادت پائی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آج تک آپ کا نام زندہ رکھا ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا ہوتا ہے وہی زندگی پاتا ہے۔

ذرا غور تو کرو کہ بندہ جو قربانی کرتا ہے اس کے بدلے میں جو انعامات اور فضل اس پر نازل ہوتے ہیں۔ ان کا اور اس قربانی کا آپس میں کوئی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ قربانی سے گھبرانا اس بات کی واضح علامت ہے کہ ایسا شخص کمزوریٔ ایمان کا شکار ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین نہیں۔ اگر یقین ہوتا تو وہ بخل سے کام نہ لیتا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان ان قربانیوں کے بدلے میں بہت جلد مادی نفع چاہتا ہے اور روحانی طور پر اسے جو کچھ ملتا ہے اس کی نظر اس قیمتی چیز کو دیکھ نہیں سکتی۔ وہ جلد گھبرا جاتا ہے کہ میری قربانیوں کا بدلہ مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ اس زمانہ میں قربانیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو منتخب کیا ہے۔ ہماری جماعت کی تعداد اِس وقت چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ اگر سب احمدیوں میں قربانی کی روح پیدا ہو جائے اور انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے تو تم دیکھو کہ کس طرح بہت تھوڑے عرصہ میں دنیا تہہ و بالا ہو جائے اور دنیا میں احمدیت کا رُعب قائم ہو جائے۔

مَیں نے جماعت کو بار بار توجہ دلائی ہے کہ کم سے کم ہر ایک احمدی اپنے اوپر یہ فرض کر لے کہ وہ سال میں ایک احمدی ضرور بنائے گا۔ لیکن اِس کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ کی ہے۔ ذرا خیال تو کرو کہ اگر ہر ایک احمدی اپنے اِس فرض کو ادا کرے اور سال میں ایک احمدی

بنالے تو دس پندرہ سال میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت ایسے مقام پر کھڑی ہو جائے گی کہ دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز آ جائے گی۔ مَیں نے بار بار مختلف مواقع پر اس تحریک کی طرف جماعت کو توجہ دلائی لیکن تم میں سے اکثر لوگوں نے ایک کان سے سُنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ جیسے چِکنا گھڑا ہوتا ہے کہ اس پر پانی کوئی اثر نہیں کرتا اِسی طرح میری تحریک بھی ان پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ انہوں نے میری تحریک کو سُنا اور اُٹھ کر گھروں کو چلے گئے۔ کتنا افسوس کا مقام ہے کہ تمہارا یہ اپنا فرض تھا کہ تم تبلیغ کرتے لیکن تم نے اس اہم فریضہ کو فراموش کر دیا اور مَیں تمہیں بار بار یاد دہانی کراتا ہوں لیکن تم پھر بھی اسے بھلانے کی کوشش کرتے ہو۔ یہ حالت اچھی نہیں۔ آخر تمہارے دلوں میں کیا چیز ہے جس پر تم خوش ہو رہے ہو۔ اور تمہارے دل کس بات پر مطمئن ہیں تا مَیں بھی اُسے سمجھ سکوں۔ آخر صحابہؓ نے کونسا جرم کیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اس وقت تک کامیاب نہیں کیا جب تک انہوں نے اپنی جان، مال اور عزت خدا تعالیٰ کے رستے میں قربان نہیں کر دیئے۔ کیا خدا تعالیٰ سے تمہاری رشتہ داری ہے کہ وہ باوجود تمہارے بخل کے تمہاری منتیں کرے گا کہ میری جنت میں ضرور داخل ہو جاؤ؟ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے تمہارے استقبال کے لئے دوڑے چلے آتے ہوں؟ تمہاری موجودہ حالت یقیناً خطرہ سے خالی نہیں۔ تمہیں اپنے نفس کے متعلق فکر کرنی چاہئے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ تمہاری حالت تو دوسرے لوگوں سے بھی بدتر ہے۔ جو احمدیت میں داخل نہیں ہوئے اُن کو تو نور نظر بھی نہیں آیا۔ تم نے نور دیکھا لیکن اس کی قدر نہ کی۔ انہوں نے جو کچھ کمایا وہ اپنے نفس پر خرچ کر لیا لیکن تم نے ادھوری قربانی کی۔ تمہیں نہ خدا ہی ملا اور نہ دنیا ہی ملی۔ اللہ تعالیٰ ادھوری قربانیوں سے راضی نہیں ہوتا۔ اس کے فضلوں کو جذب کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان ہر رنگ میں قربانی کرنے سے دریغ نہ کرے۔ مَیں نے کتنی دفعہ تمہیں کہا ہے کہ آگے آؤ اور اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لئے وقف کرو۔ لیکن تم میں سے اکثر نے اپنا قدم پیچھے کھینچا۔ کتنے آدمی ہیں جو آگے آئے؟ لاکھوں کی جماعت میں سے چند سو آدمیوں کا اپنے آپ کو پیش کرنا۔ جماعت کے لئے باعثِ فخر نہیں ہو سکتا۔ پھر مَیں نے یہ تحریک کی تھی کہ قادیان کے لوگوں کو چاہئے کہ وہ سال میں سے ایک مہینہ تبلیغ کے لئے وقف کریں۔ قادیان

ہجرت کر کے آنے والوں کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ کی خدمت اور مرکز کی مضبوطی کے لئے قادیان آئے ہیں۔ مَیں نے کہا تھا کہ ایسے تمام لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے عمل سے اس کا ثبوت دیں اور پیچھے رہ کر اپنے عمل سے اپنے ایمان پر منافقت کی مہر ثبت نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ چودہ ہزار کی آبادی میں سے صرف نوّے آدمیوں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ چودہ ہزار میں سے سات ہزار عورتیں ہوں گی اور پھر باقی سات ہزار مردوں میں سے بھی ساڑھے تین ہزار کے قریب بچے اور بوڑھے ہوں گے جن کو نکالنا پڑے گا۔ اور کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس تحریک میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہوں گے۔ بہرحال اڑھائی ہزار مرد قادیان میں ایسے ہیں جو اس تحریک میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اور اگر گردونواح کے احمدیوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ساڑھے تین ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر واقع میں انسان کے اندر تقویٰ ہو اور اس کے اندر یہ عزم ہو کہ مَیں اسلام کے غلبہ کے لئے ہر وقت کوشاں رہوں گا تو ایک مہینہ کا وقف کرنا کونسی مشکل بات ہے۔ مگر تم میں سے بُہتوں نے سنا اور سن کر پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور اُن کی اِتنی ہمت نہ پڑی کہ ساری عمر نہیں، دس پندرہ سال نہیں، ایک سال نہیں بلکہ بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ بھی وقف کر دیں۔ کیا ایسے لوگوں کو اپنی عاقبت کا ذرا بھی فکر ہے؟ کیا وہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر وہ رات کو مر جاتے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کے استقبال کے لئے آتے اور انبیاء ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے کہ آپ مہربانی فرما کر جنت میں ضرور تشریف لے چلیں؟ ایسے لوگ سخت فریب خوردہ ہیں۔ جو شخص سال میں سے ایک مہینہ بھی خدا تعالیٰ کے لئے قربان کرنے کو تیار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا کس طرح امیدوار ہو سکتا ہے۔ جو فرض اُن کے ذمہ تھا وہ پورا نہیں ہوا تو انعام کس بات کا؟ انعام تو خدمت بجالانے کے بعد ملا کرتا ہے۔ کئی دفعہ سلسلہ کی طرف سے مختلف مالی مطالبے پیش ہوئے ہیں لیکن سوائے تھوڑے سے لوگوں کے باقی لوگ بدستور خاموش ہیں۔ انسان مالی لحاظ سے اُسی وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو سکتا ہے جب یا تو اُس نے اِس قدر مالی قربانیاں کی ہوں کہ جس کے بعد وہ کہہ سکے کہ اب میں کنگال ہو گیا ہوں اور اب مجھ میں حصہ لینے کی توفیق نہیں۔ یا پھر وہ ہر مالی مطالبہ میں

اپنی توفیق کے مطابق حصہ لیتا ہو۔ اور جب وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جائے تو کہہ سکے کہ مالی قربانیوں کی جتنی آوازیں مَیں نے سُنیں اُن سب میں اپنی توفیق کے مطابق حصہ لیا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جماعت میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں کہ جن کی مالی قربانیاں دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے لیکن وہ ہزاروں ہی ہیں جو ہر قربانی کے وقت اور ہر مطالبہ کے وقت آگے آتے ہیں اور لاکھوں چُپ کر کے کِھسک جاتے ہیں۔ جب مَیں کوئی آواز اٹھاتا ہوں تو وہ ہزاروں پھر اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں کہ لیجئے ہم حاضر ہیں۔ لیکن وہ لاکھوں جو پیچھے ہیں ان کی مہرِ سکوت نہیں ٹوٹتی۔ وہ دبکے ہوئے ایک طرف بیٹھے رہتے ہیں۔ کبھی مَیں اُن کو اُن ہزاروں لوگوں کا نمونہ پیش کر کے ترغیب دلاتا ہوں اور کبھی مَیں ان کو قربانیوں سے پیچھے رہنے والوں کے عبرتناک انجام سنا کر ترہیب سے کام لیتا ہوں۔ لیکن پھر بھی وہ پیچھے ہی رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ ہزاروں پھر آگے آجاتے ہیں۔ کتنا صاف فرق نظر آتا ہے ادنیٰ ایمان میں اور اعلیٰ ایمان میں۔ جو لوگ اپنے آپ کو قربانیوں کے لئے پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قریب کرتا جاتا ہے اور ان کا مزید قربانیوں کے لئے تیار رہنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قریب کر رہا ہے۔ ورنہ پہلی قربانی کے بعد ان کے دل میں خیال آتا کہ ہم قربانی کر چکے اب دوسروں کی باری ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ یہ تو پورا ہو کر ہی رہے گا لیکن ساتھ ہی ان کمزور ایمان والوں کا کام بھی تمام ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو یہ زنگ بڑھتا جائے گا اور آخر وہ آنکھوں اور کانوں سے محروم ہو جائیں گے۔ مجھے ان لوگوں کی کمزوریوں کا بہت فکر ہے۔ مگر مَیں کیا کروں۔ کوئی مشفق باپ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی اولاد اندھی، بہری ہو۔ اور کوئی امام یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی جماعت کے کچھ لوگ اندھے، بہرے اور گونگے ہو کر خدا تعالیٰ کے سامنے جائیں۔ ہم نے تو ساری دنیا کے دلوں کو تبدیل کرنا ہے اور اُنہیں بحرِ ظلمات سے نکالنا ہے۔ پھر ہم کس طرح یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ ہماری جماعت کا ایک حصہ نابینا، بہرا اور گونگا ہو جائے۔ مگر یہ کام ایسا ہے کہ صرف میری کوشش سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اِس میں تمہاری اپنی کوشش کا بہت حد تک دخل ہے۔ اگر تم لوگ خود اپنی اصلاح کا عزم کر لو تو پھر یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن بغیر تمہاری کوشش کے مَیں تمہارے دلوں کو کس طرح بدل سکتا

ہوں۔ یہ کام ایسا ہے کہ جسے ہم مل کر، کر سکتے ہیں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا علم نہیں دیا اور دین کی ضرورتوں کا تمہیں علم نہیں دیا۔ مجھے علم دیا ہے۔ اور ان باتوں کے متعلق مَیں تمہیں بار بار توجہ دلاتا رہتا ہوں مگر تمہارے نفس کی اصلاح اور نفس میں تبدیلی پیدا کرنے کا اختیار تم کو دیا ہے۔ وہ مجھے نہیں دیا۔ نفس کی پاکیزگی کے رستے بتانا میرا کام ہے لیکن ان پر چلنا اور ان پر قائم رہنا تمہارا کام ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو جاتیں اُس وقت تک تم کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے بلکہ خوشی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ کامیابی تو مقدر ہے اور وہ ہو کر رہے گی۔ جلد ہو یا بدیر۔ لیکن تم کو خوشی نہ ہوگی کیونکہ تم سارے کے سارے اس کے وارث نہ بن سکو گے۔ کیونکہ بعض لوگ کمزوریوں کی وجہ سے رستہ میں گر جائیں گے۔ خوشی تو اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ سارا قافلہ منزلِ مقصود پر پہنچ جائے اور رستہ میں کوئی رہ نہ جائے۔ پس مَیں پھر کہتا ہوں کہ وقت نازک سے نازک ہوتا جا رہا ہے اِس لئے زیادہ سے زیادہ نمازیں، زیادہ سے زیادہ روزے، زیادہ سے زیادہ عبادات، زیادہ سے زیادہ اَذکار، زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنے میں لگ جاؤ۔ اب بے شک وہ زمانہ نہیں کہ دین کے خادموں کے تلواروں سے سر قلم کئے جائیں لیکن زندگیاں وقف کرنے کا اب بھی دروازہ کھلا ہے۔ جو لوگ تمام زندگی وقف نہ کر سکتے ہوں وہ عمر کا کچھ حصہ وقف کر دیں۔ اور جو اِس کی بھی توفیق نہ رکھتے ہوں وہ کم سے کم سال میں ایک مہینہ ضرور وقف کریں۔ کیونکہ بغیر ایسی قربانیوں کے تم خدا تعالیٰ کے فضلوں کو جذب نہیں کر سکتے۔ اتنی سہولتوں کے بعد جو شخص پیچھے ہٹتا ہے وہ اپنے عمل سے خود اپنے دل پر مہر لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دل پر مہر لگانے کے معاملہ میں بندے کے فعل کے ماتحت چلتا ہے۔ جب بندہ خود کمزوری دکھا کر اور نیکی سے بُعد اختیار کر کے خدا تعالیٰ سے کہتا ہے کہ اب مَیں اس قابل ہو گیا ہوں کہ میرے دل پر مہر لگائی جائے تو اللہ تعالیٰ دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہر کو اپنی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اب بغیر ہماری اجازت کے کوئی شخص اس مہر کو توڑ نہیں سکے گا۔ پس بندے خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمام دنیا کو ہدایت پر جمع کر دیتے۔ ہمارا کام تو ہدایت دینا ہے، گمراہ کرنا ہمارا کام نہیں۔ پس اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو، اپنی

اصلاح کرو اور قربانیوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر اب بھی تم اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرو گے تو وہ زنگ اَور بھی بڑھ جائے گا اور اُس کا دور کرنا تمہارے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔“

(الفضل 22 ر اکتوبر 1946ء)

1: البقرۃ: 202

2: ملفوظات جلد 3 صفحہ 342

3: دیوانِ غالب صفحہ 50۔ تدوین میاں مختار احمد کھٹانہ۔ مطبوعہ لاہور 2004ء